یتیم کے مالی اور معاشرتی حقوق
(فقہ اسلامی کی روشنی میں)
The Financial and Social Rights of Orphan In the Light of Islamic Law

☆ڈاکٹر ظہور اللہ الازھری[i]

☆☆ڈاکٹر محمد ارشد[ii]

Abstract:

Islam is the religion of Mercy. Allah Almighty has established a system which is based on justice. If *this* system is followed, this world will become heaven for the human beings. Allah Almighty Has made special arrangements for deprived persons. The orphan is one of them. When a child has not his father to take care of him, it is not meant that he is neglected and left alone in the society. The orphan's blood relations are bound to meet his financial and social issues. For this purpose Islam has appointed his close relations for its guardianship and that guardian will be bound to attend his matters. If the orphan has no relatives to be appointed as his guardian, the state will be its guardian. It will be the responsibility of the state to look after its financial and social matters. In this article all these issues are discussed in detail, it will make clear that Islam gives special importance to the deprived persons than others.

Key Words: deprived persons, orphan, financial, guardian, state.

تمہید: اسلام خیر خواہی کا دین ہے جو پوری انسانیت کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ انسانی معاشروں میں تمام افراد صلاحیتوں اور وسائل کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے۔ معاشی، سماجی اور دیگر امور حیات میں بعض افراد زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مادی معاشروں میں تو ایسے افراد پس جاتے ہیں مگر اسلام نے ایسے افراد کے بارے میں جابجا احکام عطا فرمائے ہیں کہ ان افراد کو لاوارث نہ چھوڑا جائے کہ یہ یونہی تڑپتے رہیں بلکہ یہ ان صحتمند اور توانا اور باصلاحیت اور معاشی اور سماجی حوالے سے مستحکم افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا بوجھ اپنے ذمہ لیں اور اس کو یہ اپنا فرض سمجھتے ہوئے بخوشی بجالائیں۔ ان محروم افراد میں سے "یتیم" بھی ہوتا ہے۔ وہ بچے جن کے والدین موجود ہوتے ہیں وہ ان کی کفالت بھی کرتے ہیں اور ان سے شفقت و محبت بھی کرتے ہیں مگر یتیم اس شفقت سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس اسلام نے اس کو تنہا نہیں چھوڑا۔ قرآن واحادیث میں اس کے بارے میں متعدد احکام ہیں۔ اس آرٹیکل میں یتیم کے مالی اور معاشرتی حقوق بیان کیے جائیں گے۔

یتیم کا معنی و مفہوم

یتیم کی تعریف مختلف الفاظ میں کی گئی ہے مگر ان سب کا بنیادی مفہوم ایک ہی ہے۔ المعجم الوسیط میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

---

[i] ۔ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، دیونیورسٹی آف لاہور۔

[ii] ۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، شکر گڑ

(يتم) ييتم يتما انفرد والصبي أو الولد فقد أباه قبل البلوغ، والصغير من الحيوان أو البهائم ماتت أمّه أو انقطع عنها.[(i)]

یہ لفظ ''يتم ييتم يتما'' سے نکلا ہے اور اس کا معنیٰ ہے الگ ہوا اور بچہ جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے مر جائے (اس کو یتیم کہتے ہیں) اور اسی طرح جانور کا بچہ جس کی ماں مر جائے یا اس سے جدا ہو جائے (اس کو بھی یتیم کہتے ہیں۔)

المعجم المفہرس میں یتیم کی تعریف الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ درج ذیل الفاظ میں آئی ہے:

يتم الولد من الناس ييتم: فقد أباه قبل البلوغ.وقد يقال ذٰلك لمن بلغ وهٰذا علىٰ سبيل المثال للأصل ...والوصف يتيم ويتيمة ..والجمع يتامىٰ.[(ii)]

یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس نے اپنے باپ کو بلوغ سے پہلے مفقود پایا ہو اور کبھی یہ بالغ کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور اس صورت میں یہ اس کی سابقہ حالت کے اعتبار سے بولا جاتا ہے۔اور اس سے یتیم اور یتیمہ کے صیغے آتے ہیں اور یتیم کی جمع یتامیٰ آتی ہے۔

فقہائے کرام کے ہاں یتیم

یتیم کی تعریف فقہائے کرام نے مختلف الفاظ میں کی ہے مگر ان سب کا لب لباب ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس بچے کا باپ اس کے جوان ہونے سے پہلے فوت ہو جائے اس کو یتیم کہتے ہیں۔

منصور بن یونس البھوتی نے اپنی کتاب کشاف القناع میں یتیم کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

اليتيم من فقد أباه بعد أن كان.[(iii)]

یتیم وہ بچہ ہے جس کا باپ تھا اور اب مفقود ہو گیا یعنی مر گیا۔

ابو بکر جصاص نے یتیم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

من فقد الأب في حال الصغر.[(iv)]

یتیم وہ ہے جو بچہ اپنے بچپنے کی حالت میں اپنے باپ سے محروم ہو جائے (اس کی موت کے سبب۔)

یتیم کے حقوق

یتیم کو شریعت میں جو حقوق عطا کیے گئے ہیں ان میں سے اہم حقوق درج ذیل ہیں:

۱۔ حق شفقت و محبت

۲۔ حق نفقہ

۳۔ ولی مقرر کیے جانے کا حق

۴۔ یتیم پوتے کا حق وراثت

ا۔ حق شفقت و محبت

بچہ کسی بھی حالت میں ہو اس پر شفقت کرنا ضروری ہے لیکن ایسا بچہ جس کا باپ فوت ہو چکا ہو اس پر شفقت کرنا اور اس سے محبت سے پیش آنا ہر شخص پر لازم ہے اور ایسے طریقے سے پیش آنا جس سے اس بچے کی دل آزاری ہو، سخت منع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والے کی سخت مذمت فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ. (v)

سو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر یتامیٰ سے محبت و شفقت کرنے کے حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (vi)

اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیں: ان (کے معاملات) کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر انہیں (نفقہ و کاروبار میں) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے O

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ برا معاملہ کرنے والوں کی سختی سے مذمت فرمائی ہے۔ اور یتیم کی کفالت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أنا وكافل اليتيم في الجنة هٰكذاوأشاربالسبابة والوسطىٰ، وفرّج بينهما شيئًا. (vii)

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمادیا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یتیم کی کفالت کرنے والے کے لیے اتنی بڑی خوشخبری سنادی ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور خوشخبری کیا ہو سکتی ہے؟ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنھم روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والّذي بعثني بالحق! لا يعذّب اللهيومالقيامة من رحم اليتيم. (viii)

قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس نے یتیم پر شفقت کی، اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی۔

۲۔ حق نفقہ

جب کسی بچے کا باپ موجود ہو تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے اور باپ کی عدم موجودگی میں اس بچے کا نفقہ اس کے رشتہ داروں کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی بچے کا باپ موجود ہو مگر اتنا مفلس ہو کہ بمشکل اپنے اخراجات برداشت کرتا ہو تو پھر اس بچے کا نفقہ اس کے دیگر رشتہ داروں پر واجب ہوگا۔

رشتہ داروں پر نفقہ کے وجوب کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ.(ix)

اور وارث کے ذمہ (یہ نفقہ) اسی قدر ہے (جس قدر یہ باپ کے ذمہ تھا۔)

رشتہ داروں پر نفقہ کے وجوب کی ترتیب

اگر باپ فوت ہو چکا ہو یا اس کے پاس کوئی ملکیت بھی نہ ہو اور وہ مریض ہو یا بڑھاپے کے سبب کمانے کے قابل بھی نہ ہو تو اس کو مردہ شمار کیا جائے گا۔ اور بچے کا نفقہ اس کے دادا کے ذمہ ہوگا بشرطیکہ دادا گنجائش رکھتا ہو۔ اگر دادا زندہ نہ ہو یا وہ بھی مفلس ہو اور کمانے سے عاجز ہو تو پھر اس بچے کا نفقہ دیگر رشتہ داروں کے ذمہ ہوگا۔ اگر رشتہ دار زیادہ ہوں اور سارے صاحب حیثیت ہوں تو پھر ان کی بچے کے ساتھ رشتہ داری کا اعتبار کیا جائے گا اور رشتہ داری کے قرب کے اعتبار سے نفقہ ان کے ذمہ ہوگا۔

اگر رشتہ داروں میں بعض وارث اور بعض غیر وارث ہوں تو ان میں وراثت کی بجائے قرب کا اعتبار ہوگا۔ شیخ بدران ابو العینین بدران بیان کرتے ہیں:

ولو كان له أم أم الاب مع أبي الأم فالنفقة علىٰ أبي الأم لأنه الأقرب مع أنّه غير وارث ولا شيء على أم أم الأب مع أنّهاوارثة لأنّهاأبعدفي درجة القرب ..... وعندالتساوى في الدرجة يكون الترجيح بالأرث علىٰ الأصحّ فلو اجتمع لشخص محتاج أبو الأمّ وأبو الأب فالنفقة علىٰ أبي الأب لكونه وارثا ولا شيء علىٰ أبي الأمّ لأنّه يتساوى في الدرجة مع أبي الأب وهو غير وارث فالترجيح في هذه الحالة يكون بالميراث.(x)

اور اگر بچے کی دادی کی ماں اور بچے کا نانا موجود ہوں تو نفقہ نانے پر واجب ہوگا باوجودیکہ نانا وارث نہیں اور اس دادی کی ماں کے ذمہ کچھ واجب نہیں حالانکہ وہ وارث ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دادی کی ماں اگرچہ رشتہ دار ہے مگر رشتہ میں دور ہے...... اور اگر دور شتہ دار قرب میں برابر ہوں تو نفقہ وارث کے ذمہ ہوگا۔ پس کسی محتاج شخص کے دو رشتہ دار دادا اور نانا موجود ہوں تو نفقہ دادا کے ذمہ ہوگا کیونکہ وہ وارث ہوتا ہے اور نانا کے ذمہ کچھ نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں درجہ برابر ہونے کے بعد ترجیح وراثت کے اعتبار سے ہوگی۔

یتیم کی کفالت اس کے اولیاء کے ذمہ کن صورتوں میں ہوتی ہے اس کی تفصیلات بیان کی گئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یتیم کا کوئی رشتہ دار ہی نہ جیسے کہ کسی آفت کی صورت میں اس کے سارے رشتہ دار ہی فوت ہو گئے یا اس کو چھوڑ کر کہیں چلے گئے یا وہ اتنے مفلس ہیں کہ اس کو نفقہ برداشت کرنے کے قابل ہی نہیں تو پھر کیا حکم ہے؟

اس حوالے سے اسلامی تعلیمات واضح ہیں کہ اس صورت میں بھی اس یتیم کو لاوارث نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ اس کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمادیا:

وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا غَنِمۡتُم مِّن شَيۡءٖ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِ[xi]

.اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے اور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) قرابت داروں کے لیے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

مال غنیمت جو بیت المال میں رکھا جائے گا اس میں سے یتامیٰ کی کفالت کی جائے گی۔ اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو یا بیت المال کا نظام نہ ہو تو پھر بھی یتیم کو لاوارث نہیں چھوڑا گیا بلکہ پھر اس کی ذمہ داری عامۃ المسلمین کے ذمہ ہے اور اس کی تاکید اس قدر فرمائی گئی ہے کہ ہر مومن یہ خواہش کرتا ہے کہ کاش اس کے گھر کسی یتیم کی پرورش ہو۔

۴۔ ولی مقرر کیے جانے کا حق

بچہ ایک بالغ شخص کی طرح اپنے معاشی وسماجی اور مالی امور طے نہیں سکتا اس لئے وہ ان امور میں کسی ایسے شخص کا محتاج ہوتا ہے کہ جو اس کے تمام امور کی نگرانی کرے اور اس کی طرف سے ہدیہ وصیت وغیرہ قبول کرے اور ہر طرح کے نقصان سے بچائے۔ شریعت نے بچے کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ اس کی کفالت، نکاح، بیع، ایجاب وقبول، دیگر مالی اُمور اور اس تمام مفادات کے تحفظ کے لئے ولایت کا پورا نظام دیا ہے۔ پس بچے کا یہ حق ہے کہ اس کا ولی مقرر کیا جائے جو اس کے امور مالیہ اور امور شخصیہ کی نگرانی کرے۔

ولایت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ ولایت علی النفس

۲۔ ولایت علی المال

ولایت علی النفس

اس سے مراد کسی شخص کو بچے کے معاملات کی نگرانی ہے اور اسے یہ اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے بچے کی ذات سے متعلق اس کے مفاد کے لئے فیصلے کرے جیسے صغیر اور صغیرہ کے نکاح کا مسئلہ ہے۔ یہ ولایت بچے کے مفاد عامہ کے لئے رکھی گئی ہے۔

ولایت علی النفس کا حق بچے کے تمام قریبی رشتہ داروں کو قوت قرابت کے لحاظ سے بالترتیب حاصل ہے۔

احناف کے ہاں ترتیب ولایت اسی طرح ہے جس طرح وراثت میں ہے۔ یعنی قریبی مرد مقدم ہوگا پھر اس کے بعد دوسرے نمبر پر قرب والا اور پھر تیسرے نمبر والا۔ اسی ترتیب کو امام مرغینانی یوں بیان کرتے ہیں:

والترتيب في ولاية النكاح كالترتيب في الارث.[(xii)]

ولایت نکاح میں ترتیب وراثت میں ترتیب کے مطابق ہے۔

اب یہ میراث میں ترتیب کیا ہے اس کو سید شریف جرجانی نے اس طرح بیان کی ہے:

اولٰهم بالميراث الذي يستحق بالعصوبة جزء الميت اي البنون ثمّ بنوهم وان سفلوا ثمّ أصله اي الأب وان علا.....ثمّ جزء أبيه اي الاخوة ثمّ بنوهم وان سفلوا ثمّ جزءجده اى الأعمام ثمّ بنوهم وان سفلوا.(xiii)

میراث میں سب سے زیادہ مستحق میت کے اجزاء یعنی بیٹے اگرچہ نیچے کے درجے کے ہوں(یعنی پوتے پڑپوتے) پھر میت کی اصل یعنی باپ، دادا پردادا پھر باپ کے اجزاء یعنی بھائی پھر ان کے بیٹے یعنی بھتیجے پھر دادا کے اجزاء یعنی چچا اور ان کے بیٹے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ترتیب اولیاء کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

أقرب الأولياء إلىٰ المرأة الابن ثم ابن الابن وإن سفل ثم الجد أبو الاب وإن علا.(xiv)

عورت کے اولیاء میں سے اس کا زیادہ حقدار اس کا بیٹا پھر پوتا اگرچہ نیچے درجے کا ہو پھر دادا اگرچہ اوپر کے درجے کا ہو۔

ولایت علیٰ المال

بچہ اپنے مالی امور میں اس امر کا محتاج ہوتا ہے کہ کوئی عاقل بالغ شخص اس کے مال کی نگرانی کرے، اس کی طرف بیع، ھبہ، وقف، وصیت وغیرہ کو بچے کی طرف سے قبول کرے کیونکہ بچے کے قبول کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس بچے کو بلوغ تک کسی ایسے فرد کے زیر ولایت کر دیا جاتا ہے جو اس کے امور مالیہ کا محافظ ہو۔

ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے زیر ولایت بچے کے مال میں تصرف کر سکتا ہے اور اسی طرح اس بچے کے مالی امور میں بچے کے مفاد اور مصلحت کی خاطر دخل دے سکتا ہے۔ جیسے بچے کی طرف سے ایجاب و قبول کرنا۔ وصیت قبول کرنا، ھبہ اور دیگر ھدایہ وغیرو کو قبول کرنا۔

ولایت علی المال میں ترتیب

زیر ولایت افراد کے مال میں تصرف کے اعتبار سے ترتیب ولایت ولایت علی النفس کی ترتیب سے مختلف ہے۔ یہ ترتیب دو طرح کے افراد کو حاصل ہے۔

ا۔ باپ یا اس کے وصی کو

۲۔ قاضی کو

ولایت علیٰ المال میں ترتیب ولایت علیٰ النفس سے مختلف ہے۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ ولایت میں سب سے مقدم باپ ہے۔ باپ اگر موجود نہ ہو تو کس کو ولایت حاصل ہو گی اس کی ترتیب میں فقہائے کرام میں اختلاف ہے اور اس بارے میں درج ذیل چار مختلف مذاہب ہیں:

ا۔ احناف کے نزدیک باپ کے بعد باپ کا وصی ولی ہو گا۔ امام سمرقندی نے اس ترتیب کو اس طرح بیان کیا ہے:

الأب ثم وصيّ الأب أولىٰ من الجدّ فان لم يكن فالجدّ ثم وصيّ الجد فان لم يكن فالقاضي ثمّ وصيّ القاضي. (xv)

باپ پھر باپ کا وصی دادا سے مقدم ہے۔ اور اگر باپ کا وصی نہ ہو تو پھر دادا اور پھر دادا کا وصی اور اگر مذکورہ تمام لوگ نہ ہوں تو پھر قاضی اور قاضی کے بعد قاضی کا وصی (ولی ہوگا۔)

۲۔ شوافع کے نزدیک باپ کے بعد دادا ولی ہوگا۔ امام نووی شافعی ترتیب ولایت کو یوں بیان کرتے ہیں:

ولي الصبي أبوه بالاجماع ثم جده أبو الأب ثم وصيهما ثم القاضي أو أمينه. (xvi)

بچے کا ولی بالاجماع اس کا باپ ہے پھر اس کا دادا پھر دونوں کا وصی پھر قاضی یا اس کا امین۔

۳۔ مالکیہ کے نزدیک باپ کے بعد باپ کا وصی اور اس کے بعد وصی کا وصی اور پھر اس کے بعد حاکم کو حق ولایت حاصل ہوگا۔ الشرح الصغیر میں اس کی ترتیب یوں مذکور ہے:

فالحاكم يليها عند فقدهما الأب ووصيه. (xvii)

پس حاکم ولی ہوگا جب باپ اور اس کا وصی موجود نہ ہوں۔

۴۔ حنابلہ کے نزدیک باپ کے بعد باپ کا وصی اور اس کے بعد حاکم ولی ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے ہاں دادا کو حق ولایت حاصل نہیں۔ (xviii)

ماحصل

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ولایت علی المال کے بارے ہیں فقہائے کرام کا اختلاف ہے مگر اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ باپ ولایت میں سب سے مقدّم ہے مگر باپ نہ ہونے کی صورت میں احناف اور شوافع کے ہاں دادا ولی بن سکتا ہے مگر حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں باپ کی عدم موجودگی میں دادا ولی نہیں بن سکتا۔ اور ان کے ہاں باپ کے وصی کو یہ حق منتقل ہو جائے گا۔

۵۔ یتیم پوتے کا حق وراثت

یتیم پوتے کی میراث کا مسئلہ آج تک متنازع فیہ رہا ہے کیونکہ اس کے بارے میں براہ راست کوئی آیت یا حدیث موجود نہیں۔ سب سے پہلے یہ واضح کیا جائے گا کہ یتیم پوتے سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً احمد کے دو بیٹے ہیں علی اور حسن۔ ان دو بیٹوں میں سے علی کا ایک بیٹا ہے حمزہ۔ علی اپنے بیٹے حمزہ کو چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد احمد فوت ہو گیا۔ اس احمد کے دو پس ماندگان ہیں۔ ایک بیٹا حسن اور دوسرا پوتا حمزہ۔ اس حمزہ کو یتیم پوتا کہیں گے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا حمزہ کو حسن کی موجودگی میں وراثت ملے گی یا نہیں؟ کیونکہ اصول ہے کہ قریبی کی موجودگی میں دور والا وراث حصہ نہیں پاتا۔ یتیم پوتے سے مراد صرف یتیم پوتا ہی نہیں بلکہ یتیم پوتی، اور یتیم نواسے نواسیاں بھی مراد ہیں۔

یتیم پوتے کے وراثت پانے میں تین مذاھب ہیں:

ا۔ وارث نہیں ہوتا۔ (یعنی محجوب ہوگا۔)

۲۔ وارث ہوتا ہے اوراپنے باپ کے قائم مقام ہو کر اس کا حصہ پاتا ہے۔

۳۔ اس کو وارث کے طور پر کچھ نہیں ملے گا مگر اس کو وصیت سے لازمی طور پر ملے گا۔

پہلا مذہب

ان کے نزدیک یتیم پوتے کو وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

ان کی دلیل قانون وراثت کا یہ قاعدہ ہے:

''الأقرب فالأقرب''جو زیادہ قریبی ہوگا وہی زیادہ حقدار ہوگا۔

پس بیٹے کی موجودگی میں پوتا، باپ کی موجودگی میں دادا وارث نہیں ہوتا۔ ہمارے پاس چونکہ ان کو حصہ دینے کی کوئی دلیل نہیں اس لیے بلادلیل حصہ دینا زیادتی ہوگی۔

یہ مذہب اکثر متقدمین فقہائے کرام کا ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بھی یہی مذہب ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

'' فقہائے اسلام میں یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں جس پوتے کا باپ مر گیا ہو وہ وارث نہیں ہوتا بلکہ وارث اس کے چچا ہوتے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک مجھے قرآن وحدیث میں کوئی ایسا صریح حکم نہیں ملا جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلہ کی بنا قرار دیا جاسکے لیکن بجائے خود یہ بات کہ فقہائے امت سلف سے خلف تک اس پر متفق ہیں، اس کو اتنا قوی کر دیتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی رائے دینا مشکل ہے۔ ویسے بھی یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کیونکہ پوتا بہرحال اپنے باپ کے واسطے ہی سے دادا کے مال ہیں حقدار ہو سکتا ہے نہ کہ براہ راست خود۔ اسی طرح بہو اپنے شوہر کے واسطے سے خسر کے مال میں سے حصہ پاسکتی ہے نہ کہ براہ راست خود۔ اگر ایک شخص کا بیٹا اس کی زندگی میں مر جائے اور وہ شادی شدہ نہ ہو، توآپ خود مانیں گے کہ اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ باپ کے مرنے پر اس کے ترکہ میں سے اس کے فوت شدہ بیٹے کا حصہ بھی نکالا جائے، اور پھر اس بیٹے کی میراث اس کی ماں اور اس کے بھائیوں وغیرہ کو پہنچائی جائے۔''(xix)

دوسرا مذہب

یہ مذہب غلام احمد پرویز اور ان کے متبعین کا ہے۔

اگرچہ میراث کے عام اصول '' الاَقرب فالاَقرب'' کے مطابق ان کو ترکہ نہیں ملتا مگر ان کو محروم کرنا بھی ظلم ہوگا۔ اس لیے ان کو حصہ دینے کے لیے یہ فرض کر لیا جائے گا کہ ان کا والد زندہ تھا پس پہلے اس کو والد اپنے مرنے والے باپ کی وراثت پائے گا اور پھر وہ چونکہ مر چکا ہے اس لیے اس کا مال اس کے بیٹوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

یہ اپنے مذہب کی دلیل یوں پیش کرتے ہیں:

وراثت کے قانون میں ایک چیز کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے اور وہ ہے قائم مقامی۔ باپ کی وفات سے بیٹا اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے بکر کی وفات سے خالد نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ وراثت کا سارا دارومدار قائم مقامی پر ہے۔ درمیانی واسطہ اٹھ جانے سے بعید کا رشتہ دار، درمیانی واسطہ کا قائم مقام اور اس طرح میت سے اقرب ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کریم کے حکم کے مطابق، مرنے والا (مورث) جن لوگوں کا اقرب ہو گا وہ لوگ وراثت پائیں گے۔ فقہاء نے اقرب کا استعمال ورثہ (زندوں رشتہ داروں) کے لئے کیا جس سے بہت سی غلطیوں میں پڑ گئے۔[xx]

دراصل اس مذہب کی کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ ان کا موقف ایک ہمدردی پر مبنی ہے۔

تیسرا مذہب

یتیم پوتے کو وراثت سے تو کچھ نہیں ملے گا مگر اس کو وصیت سے دیا جائے گا۔ اور دادا کے لیے لازم ہے کہ کل مال کے تیسرے حصے سے وصیت کرے اور اگر دادا نے وصیت نہ کی ہو تو اس کے ترکہ سے قاضی خود وصیت جاری کرے گا۔

یہ مذہب جدید فقہائے کرام اور عالم عرب و عجم کے کثیر علمائے کرام کا ہے ان میں الدکتور وھبۃ الزحیلی بھی ہیں اور یہی قانون شام اور مصر میں رائج ہے۔[xxi]

مذہب مختار

اگر دیکھا جائے تو تیسرا مذہب شریعت کی روح کے مطابق ہے۔

پہلے مذہب والوں کا موقف اس لیے قابل قبول نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو یتیم ترکہ سے کوئی حصہ نہیں پائے گا اور اسے متبادل صورت کے طور پر بھی کہیں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اور صرف یہ کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کوئی جواب نہیں۔ کیا شریعت اسلامیہ میں کہیں ایسی صورت ہے کہ کسی کو بے آسرا چھوڑ دیا گیا ہو؟ اور پھر یتیم! جس کے بارے میں خود باری تعالیٰ نے حسن سلوک کی بار بار تاکید فرمائی ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے کوئی انتظام ہی نہ کیا ہو؟

دوسرے مذہب والوں نے انسانی ہمدردی کے طور پر یتیم کو حصہ دینے کی کوشش کی ورنہ ان کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں۔ اس لیے یہ بھی ناقابل قبول ہے۔

اگر اسی طرح ہمدردی کی بنیاد پر دینا ہے تو کہیں کسی اور وارث کی مجبوری اور غربت کی بنیاد پر بھی مقررہ حصہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جیسے ایک بیٹا بہت زیادہ غریب ہو اور دوسرا امیر ہو تو ان کے نزدیک امیر کے حصے میں کمی کر کے غریب کو حصہ زیادہ دینا چاہیے جب کہ ایسا کہیں بھی ممکن نہیں۔ اور پھر یہ اس مسئلہ میں بھی صرف یتیم پوتے کے بارے ہیں یہ کہتے ہیں مگر اس شخص کی بیوہ کو کچھ نہیں دیتے۔ اگر دینا ہی ہے تو مرنے والے شخص کے اس بیٹے کو جو اس کی زندگی میں ہی مر گیا تھا زندہ سمجھ کر حصہ دیا جائے اور حصہ

دینے کے بعد اس کو مردہ سمجھ کر اس کا ترکہ اس کے تمام ورثاء میں تقسیم کیا جائے خواہ اس کی بیوہ ہو یا ماں یا اولاد میں سے کوئی ایک۔ مگر یہ صرف بیٹے بیٹیوں کے لیے حصہ ثابت کرتے ہیں کسی اور کے لیے نہیں۔

تیسرے مذہب کے دلائل

اسلام کا نظام میراث دو چیزوں پر مشتمل ہے:

ا۔ وصیت ۲۔ وراثت

اگر کسی رشتہ دار کو وارث کے طور پر حصہ نہیں ملتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا بلکہ اس کے لیے وصیت کا نظام موجود ہے۔

وصیت کا حکم اس ارشاد باری تعالیٰ سے واضح ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ. (xxii)

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب ہو اور اس نے کوئی مال چھوڑا ہو تو وصیت کرے اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لئے بھلائی کے ساتھ اور یہ متقی لوگوں پر فرض ہے۔

یتیم پوتے کو وراثت سے کچھ نہیں ملے گا کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ " الأقرب فالأقرب" اور اگر اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیٹے کی موجودگی میں دیں گے تو اس سے بہت خرابی لازم آئے گی۔

دوسرا طریقہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو وراثت کی بجائے وصیت سے دیا جائے اور جب دادا کو یہ معلوم ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے پوتے کو کچھ نہیں ملنا تو اس کو چاہیے کہ پوتے کے لیے ثلث مال سے وصیت کر جائے۔

اگر دادا پوتے کے لیے وصیت کر گیا تو اس صورت میں کوئی دشواری نہیں مگر مسئلہ اس وقت درپیش ہو گا جب دادا نے وصیت نہ کی ہو اور وہ فوت ہو جائے۔ اس مسئلہ کا حل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ دادا کے مال سے ثلث مال سے قاضی خود وصیت جاری کرے اور یہ فرض کر لیا جائے گا کہ دادا نے یہ وصیت کی تھی۔ اس کو عرب وصیت واجبہ کا نام دیتے ہیں۔

وصیت واجبہ کا ثبوت

قرآن کریم میں وصیت کا حکم موجود ہے جس سے وصیت کرنے ثابت ہوتا ہے مگر اس کے بارے میں بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ آیت وراثت آجانے کے بعد اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ جب کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت کاملاً منسوخ نہیں ہوئی بلکہ جن رشتہ داروں کے حصے بیان کر دیے گئے اور ان کو وارث ٹھہرا دیا گیا ان کے بارے میں تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا مگر جو قریبی ورثاء ہیں مگر کسی وجہ سے حصہ نہیں پا رہے ان کے لیے اب بھی یہ آیت محکم ہے۔

ورثاء کے حصہ نہ پانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں: جیسے کسی شخص کے والدین غیر مسلم ہوں مگر وہ اسلام قبول کر چکا ہو تو وہ والدین بوجہ کفر اپنے اس بیٹے کے وارث نہیں ہوں گے مگر ان کے لیے وصیت کرنا جائز ہو گا۔

اسی طرح بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو چونکہ بیٹے کے قرب کی وجہ سے پوتے کو کچھ نہیں ملتا لہذا اس کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے بلکہ وصیت کرنا لازم ہو گا جس طرح آیت میراث کے نزول سے قبل تمام ورثاء کے لیے وصیت کرنا لازم تھا۔

آیت وصیت کا حکم

کسی بھی آیت کے منسوخ ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اب اس کی کوئی حکمی افادیت باقی نہیں رہی بلکہ اس کے بعض احکام منسوخ ہوتے ہیں اور بعض باقی رہتے ہیں۔ آیت وصیت کے منسوخ ہونے کے بعد اس میں دو چیزیں باقی رہیں:

۱۔　وصیت پہلے واجب تھی مگر اب اس کا واجب ہونا منسوخ ہو گیا مگر جواز یا مستحب ہونا باقی رہا بلکہ ترغیب باقی رہی جس طرح عاشورہ کا روزہ پہلے فرض تھا پھر اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی مگر اس کا مستحب ہونا باقی رہا۔

۲۔　وصیت کے بعد وراثت کا حکم آ جانے کے بعد وہ رشتہ دار جن کو باقاعدہ وارث بنا دیا گیا ان کے حق میں تو وصیت جائز نہ رہی مگر وہ لوگ جن کو وارث نہیں ٹھہرایا گیا ان کے لیے وصیت کا جواز باقی رہا بلکہ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہذا ان کے لیے وصیت کا بعض مقامات پر وجوب بھی ثابت ہو گا۔

اس بارے میں ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں:

تدلآيةالوصيةعلىوجوبالوصيةللوالدينوالأقربين،ثمخصصمنهاالوارثينمنهمبآيات المواريث،وبقيالوجوبفيحقمنلايرثمنهمعلىحاله،والمرادمنالأقربينهم الأولاد: وقيلإنهمجميعوالقراباتالذينلايرثون[xxiii]

آیت وصیت والدین اور رشتہ داروں کے بارے میں وصیت کو فرض قرار دیتی ہے۔ پھر ان میں سے جن کو آیت وراثت کے ذریعے وارث بنا دیا گیا وہ خارج ہو گئے اور جو رشتہ داروں کسی صورت میں بھی حصہ دار نہیں ہوتے ان کے حق میں وصیت واجب رہی۔ ان اقربین سے مراد کون ہے؟ ایک قول ہے کہ اولاد، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام قریبی رشتہ دار ہیں جو وارث نہیں بنتے۔

پھر ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا.[(xxiv)]

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو انہیں کچھ کھلا دو اس میں سے اور ان کو بھلائی کی بات کہو

وہ ورثاء جن کے حصے کا بیان نہیں ہوا تھا ان کے لیے آیت وصیت سے کم از کم جواز اور استحباب ملتا تھا مگر اس آیتمیں رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور ان کو مال دینے کا حکم آیا ہے تو ان رشتہ داروں میں پوتے سے زیادہ قریبی اور مستحق کون ہو سکتا ہے؟ پس اس آیت کی وجہ سے وصیت کا حکم واجب ہو جائے گا۔

سید نا عبداللہ ابن عباس کے نزدیک تو یہ حکم ہے کہ اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو وراثت سے ان کو کچھ مال دیا جائے گا۔[xxv]

بعض علماء نے تو اس آیت کو منسوخ ہی نہیں مانا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہر تو عموم پر دلالت کرتا ہے مگر معنی خصوص پر ۔ وہ اس طرح کہ وہ والدین جو کہ وارث نہیں ہوتے کافر یا غلام ہوتے ہیں اور وہ قریبی رشتہ دار جو وارث نہیں بنتے ان کے لیے یہ آیت ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر اس آیت مبارکہ کو منسوخ نہ مانا جائے تو پھر بھی اس کا کوئی تعارض آیت وراثت سے نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ صرف ان والدین کے لیے ہے جو غلام ہونے یا کافر ہونے کی وجہ سے وارث نہیں بن رہے اور اسی طرح وہ قریبی رشتہ دار جو کسی وجہ سے وارث نہیں بن رہے اب یتیم پوتا بھی ان ورثاء میں شامل ہو گا کہ وہ قریبی تو ہے مگر وارث نہیں۔ پس اس آیت کی رو سے اس کے لیے وصیت کرنا واجب ہوا۔

اب اگر کسی نے وصیت نہیں کی تو یہ اس کی غفلت تھی پس قاضی اس کے مال میں اپنی طرف سے وصیت جاری کرے گا۔ اور جب کسی کی غفلت یا زیادتی کی وجہ سے دوسرے کی حق تلفی ہو رہی ہو تو قاضی یا حاکم وقت کو افراد کے ذاتی امور میں مداخلت کا حق ہوتا ہے جس طرح اگر ایک شخص اپنی بیوی کے حقوق بھی ادا نہیں کرتا اور اس کو طلاق بھی نہیں دیتا تو قاضی یا حاکم وقت اپنی طرف سے تنسیخِ نکاح کر سکتا ہے۔

وصیتِ واجبہ کا یہی قانون اس وقت کئی اسلامی ممالک میں رائج ہے۔ ان میں مصر اور شام بھی ہیں۔

وصیتِ واجبہ کی شرائط

۱۔ وہ یتیم پوتا، پوتی، نواسہ یا نواسی وارث نہ بن رہے ہوں۔ وہ اس طرح کہ مرنے والے شخص کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو اولاد چھوڑ کر مر گیا تو اب صاف ظاہر ہے یہ یتیم پوتے پوتیاں باقاعدہ عصبہ کے طور پر حصہ دار ہیں سو ان کے حق میں وصیت واجب نہیں ہو گی۔

۲۔ دادا نے زندگی میں ہی ان یتیموں کو ان کے والد کے حصہ کے مطابق ھبہ وغیرہ کی صورت میں مال نہ دیا ہو۔ اگر وہ مال دے چکا ہے تو اب وصیت واجب نہیں ہو گی مگر وصیت کر دی تو پوری کی جائے گی۔

۳۔ قاضی وصیت ثلث مال سے زائد میں جاری نہیں کرے گا اور اگر ثلث مال سے زائد کی ہو تو باقی ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہے اگر وہ جائز قرار دیں گے تو زیادہ سے بھی پوری کی جائے گی۔

نتائج بحث:

یتیم کے حقوق کے حوالے سے شریعت مطہرہ کا امتیاز یہ ہے کہ اسلامی قانون میں یتیم کے حقوق ادا کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ جن میں اہم امور درج ذیل ہیں:

1: مرنے والے شخص کے بعد اس کے رشتہ دار اس مرنے والے کے یتیم بچوں کی حفاظت کریں گے۔

2. یتیم بچوں کے ساتھ معاشرے کے تمام افراد محبت اور شفقت سے پیش آئیں گے تاکہ انہیں اپنے والدین کی شفقت سے محرومی کا احساس نہ ہو گا۔

3. اگر ان بچوں کے پاس نفقہ نہ ہو تو انہیں نہ تو لاوارث چھوڑا جائے گا اور نہ ہی انہیں کہا جائے گا کہ وہ اس چھوٹی عمر میں خود محنت مزدوری کر کے اپنی گزر اوقات کریں بلکہ مرنے والے کے قریبی رشتہ داروں پر ان بچوں کا نفقہ واجب ہو گا۔

4۔ یتیم بچوں کو ان کے باپ کی عدم موجودگی کے باوجود ان کے دادا کی وراثت سے بطور وصیت حصہ ملے گا تاکہ ان کی کفالت بہتر طریقے سے ہو سکے۔ فقہائے کرام نے اس وصیت کی تفصیل اپنی کتب میں بیان کی ہے۔

۵۔ اگر یتیم بچے کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر خلیفہ یا اس کا نمائندہ بچے کے مالی امور کا ذمہ دار ہو گا اور اس بچے کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔

۶۔ بچے کے پاس اگر مال ہو تو پھر بھی اس کو ایک محافظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح نکاح کے وقت بھی کسی سرپرست کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام نے اس کے مختلف رشتہ داروں کو ان کی رشتہ داری کے لحاظ سے اس کا ولی مقرر کیا ہے تاکہ بچہ اپنا مال ضائع نہ کر بیٹھے یا شادی کے معاملے میں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ اس صورت میں بھی اگر کوئی ولی موجود نہ ہو تو خلیفہ یا اس کا نمائندہ بچے کا ولی قرار پائے گا جو اس کے مالی اور سماجی معاملات کی دیکھ بھال کرے گا۔

حوالہ جات

(i) انیس،ڈاکٹر ابراہیم،المعجمالوسیط، مادة (يتم)بیروت،لبنان: دار إحياءالتراثالعربی ، ۱۹۵۶ء ،2 : 1076

(ii) عبدالباقی،محمدفواد،المعجمالمفہرسلألفاظالقرآنالکریم،منشوراتذویالقربی،۱۴۲۱ھ 2: ۷۰۲

(iii) البہوتی،منصوربنیونسبنادریس،کشافالقناع،دارالفکر،بیروت،لبنان،۱۴۰۲ھ، 4: 364

(iv) الجصاص،ابیبکراحمدبنعلیالرازیالجصاصالحنفی (۳۷۰ھ)،أحکامالقرآن،لاہور،پاکستان،سہیلاکیڈمی،۱۹۸۰ء ،2: ۱۲

(v) الضحیٰ،93: ۹

(vi) البقرة،220: 2

(vii) البخاری،أبوعبداللہمحمدبناسماعیلبنابراہیمبنمغیرہ (۱۹۴-۲۵۶ھ)،الصحیح،بیروت،لبنان + دمشق،شام: دارالقلم،۱۴۰۱ھ ، کتاب الطلاق، باب اللعان، رقم الحديث: 4998

(viii) الطبرانی،سلیمانبنأحمدبنأیوببنمطیراللخمی (۲۶۰-۳۶۰ھ)،المعجمالاوسط،ریاض،سعودیعرب: مکتبةالمعارف،۱۴۰۵ھ ،8: 346 ، رقم الحديث: ۸۸۲۸

(ix) البقرة،2: ۲۳۳

(x) بدران، أبوالعينين، حقوق الأولاد في الشريعة الإسلامية والقانون ،مؤسسةشبابالجامعة،اسکندریة،مصر،۱۹۸۱ء : ۱۳۲

[xi]سورۃ الانفال، 8: 41

[(xii)]المرغيناني،برہانالدینابو الحسنعلیبنابیبکر،الہدایہ،کراچی،پاکستان: محمدعلیکارخانہاسلامیکتب (س.ن) ،1: 316

[(xiii)] الجرجانی،سیدشریف،الشریفیہشرحالسراجی،اشاعتاسلامکتبخانہ،محلہجنگی،پشاور،۱۹۸۲ء:۳۸

[(xiv)]فتاوی عالمگیری (الفتاویٰ الہندیہ)، بیروت، لبنان: دار المعرفہ، 1980ء، 1: ۳۱۲

[(xv)]سمرقندی،أبوحمدمحمدبناحمدعلاءالدینالسمرقندی (۵۳۹ھ)،تحفةالفقہاء،بیروت،لبنان: دارالكتب العلمية،۱۴۰۵ھ، 3 :۲۲۰

[(xvi)]شربینی،الشیخمحمدالشربینیالخطیب، (۹۷۷ھ)،مغنیالمحتاجإلیمعرفةمعانیالفاظالمنہاج،بیروت،لبنان: دارإحیاءالتراثالعربی،۱۴۰۲ھ ،2: ۱۷۳

[(xvii)]الدردیر،أبوالبرکاتأحمدبنمحمد،الشرحالصغیر،مكتبةالرياضالحديثية،السعودية، 2000ء،4: 521

[(xviii)] ابنقدامہ، ابو محمد ، عبد الله *بن* احمد *بن* محمد، المغنی،دارالفکر،بیروت،لبنان، 1987ء، 521/4

[(xix)]*مودودی، سید ابو الاعلیٰ، رسائل و مسائل (حصہ دوم)، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۱۰*

[(xx)]*پرویز، غلام احمد، قتل مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت، ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لاہور، ۱۹۸۴ء :۸۱*

[xxi]الزحيلي، الدكتور وهبة، الفقه الاسلامي وادلته، دار الفكر المعاصر للطبع والنشر والتوزيع، مصر ، 1997، 10: 7565

[(xxii)]البقرة،2: 180

ابنحزم،علیبناحمدبنسعیدبنحزماندلسی (۳۸۴-۴۵۶ھ)،المحلی،بیروت،لبنان: دارالآفاقالجدیده ، ص: 314[xxiii]

[(xxiv)]النساء،4: 8

[(xxv)]قرطبی،أبوعبداللہمحمدبناحمدبنمحمدبنیحییٰبنمفرجاُموی (۲۸۴-۳۸۰ھ)،الجامعلاحکامالقرآن،بیروت،لبنان: داراحیاءالتراثالعربی، 1990ء،3 : 49